رئیس احمد جعفری

اسلام کی سیاستِ عادلہ

سیاست عادلہ کی تعریف کیا ہے؟

ہر قوم اور ملت کے شئونِ داخلی، حالاتِ خارجی، اور نظم و قوانین کی اصلاح و تعمیر کے لئے جو اقدامات بروئے کار لائے جائیں وہی "سیاستِ عادلہ" کہلاتے ہیں۔ جن سے افراد و جماعت کا امن پیدا ہوتا ہے۔ جن میں ان کے مصالح کی رعایت ملحوظ ہوتی ہے جو ان کے علاقوں کی تنظیم اور ان کے ارتقاء کے ضامن ہوتے ہیں۔

اسلام اس سیاستِ عادلہ کا سب سے بڑا علمبردار ہے اسی سیاست پر وہ اپنے اصولوں کی تعمیر کرتا ہے۔ تاکہ نظمِ عادلہ، اور مصالحِ عوام کی بنیاد ہر زمانہ، ہر ماحول اور ہر دور میں مضبوط و مستحکم رہے۔

ہمارے اس اس دعوے کی دو دلیلیں ہیں:

ایک تو یہ کہ اسلام کے لئے اصل اوّل اور مصدرِ عام ہر حالت میں کتاب اللہ ہے جس میں جزئیات کی تفاصیل تو نہیں ہیں لیکن جس میں ان قواعد کلیہ کو مخصوص طور پر ظاہر کر دیا گیا ہے، جو حکومت کے عام حالات کی تنظیم و تشکیل کے لئے معیار کا کام دیتے ہیں۔ اور یہی بنیادی قواعد ہیں جو ہر امت کے لئے ہر زمانہ میں یکساں کارآمد اور سُود مند ہیں۔ پھر جب ان کے تفصیلات اور جزئیات کا معاملہ سامنے آتا ہے تو ہر قوم اور ہر ملت اپنے اختلافِ احوال کے مطابق اور اپنے دَور و عہد کے مطابق ان میں اختلاف محسوس کرتی ہے اور ان اختلافات احوال و زمان کے بارے میں اسلام ساکت ہے۔ کیونکہ وہ ہر امت کو اس کا حق دیتا ہے کہ وہ اپنے مصالحِ خاص اور اقتضائے احوال کے مطابق وہ روش اختیار کرے جو کتاب و سنت کے بنیادی اصولوں سے مختلف اور متعارض نہ ہو۔

حکومت و دولت

اب جہاں تک حکومت و دولت کا تعلق ہے اسلام نے حکومت کے لئے کوئی واضح نظام نہیں پیش کیا ہے نہ سلطانِ وقت (یا امیر) اور اربابِ حل و عقد کے اختیار اقتدار کے بارے میں کوئی واضح دستور پیش کیا ہے اس نے صرف بنیادی عناصر کے مخصوص کر دینے پر اکتفا کیا ہے جن پر ہر حکومت عادلہ کے لئے عمل ضروری ہے اور جن پر عمل کرنا کسی حالت کسی زمانہ اور کسی دَور میں کسی قوم کے لئے ناممکن نہیں ہے۔

ایک بنیادی عنصر "عدل" ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔

یعنی جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو تمہارا فیصلہ عدل کے ماتحت ہونا چاہیئے۔

دوسرا بنیادی عنصر "شوریٰ" ہے خدا فرماتا ہے امشاورھم فی الامر - یعنی اپنے معاملات میں باہمی صلاح و مشورہ سے کام لیا کرو -

پھر مساواتِ عام ہے خدا کا ارشاد ہے ان المؤمنون اخوۃ یعنی تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں -

ان عناصر کے علاوہ (یعنی عدل، شوریٰ اور مساوات) نظم تفصیلی اور جزئی کی جو بنیادیں ہیں ان کے بارے میں اسلام خاموش ہے - تاکہ اولوالامر حالات و مصالح کے مطابق نظم و ضبط قائم کریں اسی منہاج پر حکومت کی تشکیل کریں اور اسی اصول پر اپنی مجالس کو منضبط رکھیں لیکن اس توسیع اختیارات کے باوجود ان پر لازم ہے کہ عدل کے حدود سے تجاوز نہ کریں اور شوریٰ اور مساوات کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیں -

اب قانون جنائی (تعزیرات) کو لیجئے مجرمین کی پانچ جماعتوں کے علاوہ کسی مجرم گروہ کے لئے عقوبات مقرر و معین نہیں کی گئی ہیں -

ایک تو وہ لوگ جو خدا اور رسولؐ سے برسرِ جنگ ہوتے ہیں اور خدا کی اس زمین کو فساد و فتنہ کی جولان گاہ بنا دیتے ہیں دوسرے وہ لوگ جو پاکدامن اور عصمت مآب خواتین کو متہم کرتے ہیں - چوتھے وہ لوگ جو زنا کے مرتکب ہوتے ہیں پانچویں وہ لوگ جو چوری کرتے ہیں -

مذکورہ جرائم کے علاوہ جتنے جرم بھی ہیں ان کے لئے اسلام نے کوئی عقوبت اور تعزیر مقرر نہیں کی ہے بلکہ اسے اولوالامر کے لئے چھوڑ دیا ہے کہ وہ امن و امان دفع شر و فساد اور استیصال فتنہ کے پیش نظر جو عقوبت اور تعزیر مناسب سمجھیں جاری کریں اس لئے کہ بقیہ جرائم امتوں اور قوموں کے حالات، ماحول زمانہ اور دور کے ساتھ اپنی نوعیتیں بدلتے رہتے ہیں - لھذا ہر امت کے ارباب اقتدار و اختیار اور اربابِ حل و عقد کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیا کہ وہ خود عقوبات و تعزیرات کا مناسب حال تقرر کریں اور عقوبت کا جو اصل مقصد ہے اسے پیش نظر رکھیں البتہ اس بارے میں بھی خدائے بزرگ و برتر نے ایک اصل عام مقرر کر دی ہے جو کسی امت اور قوم کے لئے بھی گراں نہیں ہو سکتی وہ یہ کہ عقوبت اور تعزیر - جرم کے مطابق ہونی چاہئے (جرم ہلکا ہے تو سزا بھی ہلکی ہونی چاہیئے، جرم بڑا ہے تو سزا بھی بڑی ہونی چاہئے) چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ" یعنی اگر تم کسی کو عقوبت دو تو اتنی ہی جتنی تمھیں پہنچی ہو - پھر فرمایا: فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم یعنی اگر تم کسی پر تعدی کرو تو اتنی ہی جتنی تعدی تم پر کی گئی ہے -

قانونِ معاملات میں ضروریات کے پورا کرنے اور احتیاجات کے رفع کرنے کے لئے نص کے ذریعہ حکم اباحت جاری فرمایا اور بیع اجارہ رہن وغیرہ کو حلال کر دیا اور اس سلسلہ میں اس اہم بنیاد کی طرف اشارہ کر دیا جس پر مبادلات و معاملات کو مرتکز رہنا چاہئے یعنی مبادلات و معاملات کے لئے اہم بنیاد "تراضیٔ طرفین" ہے مطلب یہ کہ جبر و جور نہ ہو

رضامندی اور خوش دلی کار فرما ہو چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

"یاایھا الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم"۔ یعنی اے مسلمانو! اپنے مال کو ناجائز بنا کر اسے باطل کی آمیزش کے ساتھ نہ کھاؤ بجز اس کے کہ وہ مال تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے حاصل ہوا ہو۔

ان معاملات کے سلسلہ میں تفصیلی احکام ارباب حل و عقد کے لئے چھوڑ دئے کہ وہ اُمت کے مناسب حال "تراضی" کی بنیاد پر انھیں مرتب اور منضبط کریں۔

اسی طرح جو معاملات نزاع پیدا کرتے ہوں، جو عداوت اور بغض کے موجب ہوتے ہوں، جن سے فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہوتی ہو، ان کو نص کے ذریعہ منع فرما دیا اور اس کی بنیاد ذا اساس کیا رکھی؟ دفع ضرر، اسباب بغض و عناد کا انقطاع، فتنہ و فساد کے عناصر کا استیصال مثلاً سود (ربا) کو اور جوئے کو حرام قرار دیدیا لیکن احکام جزئیہ کی تفصیل سے احتراز کیا اس لئے کہ ہر اُمت اور قوم اپنے مناسب حال ان جزئیات کو مرتب کر کے اصلاح احوال . . . . . کی سعی و کوشش کرے۔

نظام مالی میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مالداروں پر محاصل اور ٹیکس عائد کئے گئے جن کا مقصد یہ ہے کہ غیر معمولی نفع اندوزی سے روکا جائے اور محتاجوں اور ضرورتمندوں کی مدد کی جائے لیکن اس سلسلے میں بھی آمد و خرچ کی بعض تفصیلات یونہی چھوڑ دی گئی ہیں۔ تاکہ ہر اُمت اپنے مناسب احوال انھیں منضبط اور منظم کر کے بروئے کار لائے۔

اُصولی راہِ عمل سیاستِ خارجیہ میں بھی ایک اُصولی راہِ عمل متعین فرما دی گئی ہے۔ قرآن شریف میں وارد ہوا ہے کہ: لاینھاکم اللہ عن الذین یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ○ انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظٰلمون ○

ان آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جزئیات کی تفصیل کے عام حالات کو مخصوص نہیں کیا ہے نگاہ تعمق سے دیکھئے تو اسلام کا یہ کوئی نقص یا قصور نہیں ہے بلکہ یہ تو حکمت بالغہ ہے کہ ہر اُمت کے لئے یہ آسانی بہم پہنچائی گئی ہے کہ وہ اپنے مصالح کے لحاظ سے انھیں بروئے کار لائے پس شرط جو کچھ ہے وہ یہ کہ ان بنیادی حدود سے تجاوز نہ ہونے پائے جو پہلے سے مرتب و مدون کر دئے گئے ہیں۔ اگر اسے کوئی نقص سمجھے تو یہ اس کی غلطی ہے یہ تو وہ درجۂ کمال ہے جو نظام قانون سازی کا اہم ترین حصہ ہے جو مصالح عوام کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔

شروع میں ہم نے جو دعویٰ کیا تھا اس کی دو کیفیتیں ہمیں پیش کرنی تھیں۔ پہلی دلیل تو آپ کی نظر سے گزر چکی اب دوسری دلیل ہم پیش کرنا چاہتے ہیں:

ایک اور دلیل: اسلام نے اپنے بہت سے احکام آیات اور ارشادات سے یہ امر واضح کر دیا ہے کہ اس کی غائت یہ ہے کہ

انسانی مصالح کو ملحوظ رکھے اور ضرر کو دفع کرے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل قائم رکھے انھیں ظلم وسرکشی سے باز رکھے ۔ اس کی تائید اس حکمِ تشریعی سے ہوتی ہے جو مخصوص طور پر احکام سمیت موجود ہے مثلاً ارشاد خداوندی : ولکم فی القصاص حیاۃ یعنی قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے ۔ نیز یہ فرمان کہ : انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلٰوۃ فھل انتم منتھون ۵ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے چسکے میں تمہارے درمیان عداوت پیدا کر دے وہ تمہیں ذکرِ خدا سے بھلاوے میں ڈالتا ہے تو کیا تم باز آجاؤ گے ؟

عبادات کا مقصود اصلاح نفس بتایا گیا ہے چنانچہ جہاں نماز کی حکمت ارشاد ہوئی ہے وہاں فرمایا گیا ہے : انّ الصلٰوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ۔ نماز فحشا اور منکر سے روکتی ہے ۔ روزہ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے : لعلکم تتقون تاکہ تم خدا ترس بن جاؤ ۔ زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم بھا ۔ آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے ۔ جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک صاف کر دینگے ۔ حج کے بارے میں کہا گیا ہے : لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ علیٰ ما رزقھم من بھیمۃ الانعام ۵ یہ بھی احکام اور امر کے ساتھ وضاحت فرما دی گئی ہے کہ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ۵ یعنی اللہ تمہارے لئے آسانیاں ملحوظ رکھتا ہے نہ کہ سختیاں ۔ قرآن ہی میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ماجعل علیکم فی الدین من حرج یعنی تمہارے دین کے معاملات میں کوئی دشواری نہیں پیش کی گئی ۔ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ لاضرر ولا ضرار رسالت مآبؐ ہی کا یہ ارشاد بھی ہے کہ بُعثت بالحنیفتہ السمحہ جب کہ اسلام کی غایت و مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی اصلاحِ حال کی جائے ۔ ان کے درمیان عدل قائم کیا جائے ۔ ان کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں ۔ انھیں زحمت اور تکلیف سے دُور رکھا جائے تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام ہی کی سیاست وہ سیاست ہے جسے بلاشبہ سیاستِ عادلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ ہر سیاست پر حاوی ہے ۔

وہ اپنے اصول میں ہر اصول کی رعایت رکھتا ہے وہ اتنی لچک اور وسعت بھی رکھتا ہے کہ جس سے اصلاحی مقصد پورے طور پر حاصل ہو سکے وہ حکومت و سیاست کی خرابی کی اصلاح اور کسی حالت کے سدھارسے قاصر نہیں ہے ۔

ایک اہم اعتراض اور اس کا جواب

بعض لوگ کہتے ہیں جب اسلام سیاستِ عادلہ کا کفیل ہے اور ہر اس نظام کو قبول کرتا ہے جو قوم اور ملک کے مصالح سے متصادم نہ ہو اور حکومت و سیاست کے کسی کام کے سدھار سے وہ قاصر نہیں ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ بعض اسلامی مملکتیں اسلامی قوانین کے بجائے دوسرے قوانین کے نفاذ پر مجبور ہوئیں ؟ کیوں نہ اسلامی قوانین کو انھوں نے اپنے نظم و ضبط اور تشریح قوانین کا مصدر و مخزن بنایا یا دوسرے الفاظ میں اس سوال کو یوں سمجھئے کیا بات ہے کہ ہم دولتِ اسلامیہ مصر وغیرہ کو قوانین معاملات و عقوبات

میں اور تحقیق جرائم و تفتیش جنایات اور طرقِ مرافعات و نظم اجراآت میں دوسرے قوانین (عصری) کا پابند دیکھتے ہیں ؟

اب جواب سنئیے !

یہ صورتِ حال اسلام کا قصور نہیں ہے ۔ یہ قصور ہے مسلمانوں کا۔ اس لئے کہ اسلام نے اپنے احکام منصوصہ میں استنباط کے اُصول وضع کر دئے جو مصالح انسانی کے لحاظ سے کامل اور اکمل ہیں ۔ اور جن پر عمل کرکے ہر اسلامی حکومت دوسرے عصری قوانین سے بے نیاز ہو سکتی ہے ۔ اگر مسلمانوں نے ان حقائق کو سمجھا ہوتا اور ہر زمانہ میں وہ ایک ایسی جماعت تشریعیہ مرتب کرتے رہتے جو ان اہل علم پر مشتمل ہوتی جو دین کے اصول پر بصیرت تامہ رکھتے ہوئے اُمور دُنیاوی سے پورے طور پر واقف ہوتے ۔ لوگوں کی ضروریات ، مسائل اور تغیرات احوال سے آشنا ہوتے اور وقایع مختلفہ کو سامنے رکھ کر استنباط مسائل واحکام کر سکتے ہوتے جو ایک طرف انسانی مصالح و مقتضیات سے موافق ہوتے ، دُوسری جانب اصول دین اور روح شریعت سے مطابق ہوتے تو یہ صُورتِ حال رونما نہ ہوتی لیکن ہُوا یہ کہ اہلِ علم تفریط میں مبتلا ہو گئے ۔ یہ کام نا اہلوں کے ہاتھ میں پڑ گیا انھوں نے حقائق سے آنکھیں بند کر لیں اجتہاد و فردی کے منکر ہو گئے ۔ اُنھوں نے انسانی ضروریات کی "طوائف الملوکی" یا "انارکی" کا علاج سوچا تو یہ کہ اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا اور اپنی ساری ذہانت وقابلیت سابق مجتہدین کے اقوال متخالف میں تطبیق اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں صرف کرنے لگے ۔ اس کوتاہی فہم و علم کا جو نتیجہ ہُوا وہ سامنے ہے اُنھوں نے اس پر قناعت کر لی جو سامنے تھا اور تغیرات زمانہ اور مصالح انسانی اور مقتضائے مصلحت کے مطابق نظمِ قوانین سے بے پروا ہو گئے ۔

دینِ فطرت مصنفہ محمد مظہر الدین صاحب صدیقی — اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کے تمام احکام قوانینِ فطرت پر مبنی ہیں اور اسلام ہم سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتا جو ہماری فطرت کے صحیح تقاضوں پر مبنی نہ ہو۔ اسکے بعد صدیقی صاحب نے فطرت کے تصور سے بحث کرتے ہوئے ڈاروِن کے نظریۂ ارتقاء پر روشنی ڈالی ہے ۔ اور بتایا ہے کہ نظریۂ ارتقاء سے لوگوں نے بعض غلط نتائج مستنبط کئے جن کی وجہ سے فطرت کا صحیح تصور مسخ ہو گیا ۔ آخر میں مصنف نے بتایا ہے کہ فطرت کے مختلف مراتب ہیں مثلاً ایک انسان کی جسمانی اور طبعی فطرت ہے، اس کے اوپر اسکی ایک اجتماعی اور تمدنی فطرت ہے ۔ اور ان سب کے بالاتر ایک روحانی فطرت ہے ۔ پھر ہر مرتبہ فطرت کے اپنے جداگانہ قوانین اور تقاضے ہیں، اور انسانی فلاح اس میں ہے کہ وہ ان مختلف مراتبِ فطرت کے جداگانہ قوانین کے ساتھ مطابقت پیدا کرے پھر جو شخص یا جو قوم فطرت کے ان مختلف درجات کے تقاضوں سے جتنی زیادہ مطابقت پیدا کرتی ہے اسی قدر زیادہ فلاح پاتی ہے ۔ آخر میں مصنف نے اسلام کے نظریۂ آخرت سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بھی فطرت ہی کا ایک اونچا درجہ ہے ۔ اور اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے بغیر انسان کی اجتماعی زندگی کامیاب نہیں ہو سکتی ۔ قیمت ایک روپیہ بارہ آنے ۔

ملنے کا پتہ : سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ - ۲ - کلب روڈ - لاہور - (پاکستان)